اقبال کا تیسرا سفرِ یورپ

چند روایات کا تجزیہ

رحیم بخش شاہین

میں صورتِ گل دستِ صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے مرا جوشِ جنوں میری قبا چاک!

اقبالؔ نے زندگی میں تین مرتبہ یورپ کا سفر اختیار کیا۔ پہلی مرتبہ وہ ستمبر ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ تشریف لے گئے تھے اور وہاں تین سال تک مقیم رہے تھے۔ دوسری اور تیسری بار انہوں نے دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے یورپ کا سفر کیا تھا۔

گول میز کانفرنس کا انعقاد دراصل ان کوششوں کی ایک کڑی تھا جو برصغیر کے سیاسی اور آئینی مسائل کے حل کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کی جا رہی تھیں۔ حکومتِ برطانیہ نے محسوس کیا کہ برصغیر کے رہنماؤں کو اگر لندن میں جمع کر کے غور و فکر اور بات چیت کا موقع بہم پہنچایا جائے تو وہ افہام و تفہیم سے کسی مناسب نتیجے یا تصفیے پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے حکومت نے برصغیر کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندوں کے علاوہ دوسری اقلیتی جماعتوں کے نمائندوں کو بھی گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔

پہلی گول میز کانفرنس ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوئی۔ اور ۱۹۔ جنوری ۱۹۳۱ء کو ختم ہوئی۔ دوسری کانفرنس ۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو شروع ہوئی اور یکم دسمبر ۱۹۳۱ء تک جاری رہی جب کہ تیسری گول میز کانفرنس ۱۷۔ نومبر ۱۹۳۲ء کو شروع ہوئی اور ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء کو ختم ہوئی۔

اس دور میں اقبال سیاسی اعتبار سے سرگرم تھے اور ان کا شمار برصغیر کے اہم رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پہلی گول میز کانفرنس میں انہیں مدعو نہیں کیا گیا۔ البتہ ۲۹۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت ان کے حصے میں آئی اور انہوں نے اس موقع پر ایک تاریخ ساز خطبہ پڑھا جس میں انہوں نے برصغیر کی تقسیم اور مسلم ہندوستان کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔

دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں اقبال کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور انہوں نے مسلمانوں کے موقف کی ترجمانی کے لیے یہ دعوت قبول کی اور کانفرنس میں حصہ لینے کے لیے یورپ کا سفر کیا۔ دوسری کانفرنس کے سلسلے میں جب انہیں یورپ جانا پڑا تو انہیں اٹلی، مصر، فلسطین کی سیر و سیاحت کا موقع بھی ملا۔ اس سیاحت کی مفصل

روداد جناب محمد حمزہ فاروقی نے اپنی کتاب "سفرنامہ اقبال" میں قلم بند کی ہے۔

تیسری اور آخری مرتبہ جب اقبال یورپ گئے تو انہوں نے گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں شرکت تو کی لیکن اس کے مباحث میں سرگرمی سے حصہ نہیں لیا۔ یوں بھی انہیں انگلو انڈین فرقے کی تعلیمی کمیٹی کا رکن بنایا گیا تھا۔ اس موضوع سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ تاہم انہوں نے کانفرنس کے اندر اور باہر اس رائے کا اظہار کیا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کا انحصار مختلف اقوام کے باہمی تصفیہ حقوق پر ہے اور مرکزی یا وفاقی حکومت قائم کرنے کے بجائے ہر صوبے کو خود مختار اور آزاد ڈومینین کا درجہ دے دیا جائے۔

یہ سفر یورپ حیاتِ اقبال میں بوجوہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اقبال کا سیاسی مرتبہ و مقام اور نقطۂ نظر کیا تھا۔ فرانس اور سپین کے سفر نے ان کے دل و دماغ کو کس طرح متاثر کیا اور وہ وہاں سے مشاہدے اور معلومات کے کیا تحائف ساتھ لے کر آئے۔

علامہ اقبال کی نامزدگی

علامہ اقبال کے اس سفر کے سلسلے میں علمی حلقوں میں بعض غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کی بنیاد اکثر و پیشتر بعض لوگوں کی بیان کردہ روایات ہیں۔ ان لوگوں نے یا تو محض حافظے پر انحصار کیا ہے یا سنی سنائی باتیں نقل کر دی ہیں یا قیاس آرائی سے کام لیا ہے۔ اس سلسلے کا پہلا معاملہ تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کی نامزدگی کا ہے۔

مولانا عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں:

"اگرچہ علامہ کی حق گوئی اور بے باکی سے حکامِ وقت بہت آزردہ رہتے تھے لیکن جب فرقہ وار فیصلے کا اعلان ہو گیا اور آل انڈیا مسلم کانفرنس اور اس کے صدرِ محترم کی ساکھ سیاسی دنیا میں بلند تر ہو گئی تو حالات کسی قدر ہموار ہونے لگے، اور جب میاں فضل حسین نے جو وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے، تیسری گول میز کانفرنس کے ممبروں میں علامہ کا نام بھی تجویز کیا تو حکومت بادلِ ناخواستہ ہی سہی لیکن علامہ کو دعوت دینے پر آمادہ ہو گئی۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کی نامزدگی میاں سر فضل حسین نے تجویز کی تھی۔ خود میاں فضل حسین کے فرزند عظیم حسین اپنے والد کی سوانح عمری میں گول میز کانفرنس میں اقبال کی شمولیت کے سلسلے میں اپنے والد کی مساعی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"دوسرے سال سر فضل حسین نے حکومت کو ترغیب دی کہ ڈاکٹر اقبال کو پھر گول میز کانفرنس میں بھیجا جائے یا بصورت دیگر فیڈرل سٹرکچر کمیٹی میں رکھا جائے یا جمعیت اقوام کے ہندوستانی وفد کا رکن بنایا جائے۔ اگلے سال کے تجربے کی بنا پر ڈاکٹر اقبال کو گول میز کانفرنس میں بھیجنے کیلئے (حکومت) بمراہی کے ساتھ رضامند ہو گئی"

ان بیانوں میں صرف اتنی بات درست ہے کہ حکومت اب کی بار اقبال کو کانفرنس میں دعوت دینے میں متامل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال صوبائی خود مختاری اور جداگانہ انتخابات وغیرہ مسلم مطالبات سے کسی صورت دستبردار

کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور اس امر پہ مصر تھے کہ پہلے اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ حل ہو اور پھر وفاقی ڈھانچے پر گفتگو کی جائے۔ انہوں نے دوسری گول میز کانفرنس کے بعد کانگریس کے علاوہ برطانوی حکومت کو بھی ہدفِ تنقید بنایا تھا۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس لاہور میں اقبالؔ نے جو صدارتی خطبہ دیا تھا، وہ اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ اقبال برطانوی حکومت کے رویّے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ فرقہ وارانہ فیصلے کا اعلان ہونے پر مسلم کانفرنس نے اقبالؔ ہی کی سرکردگی میں راست اقدام کا پروگرام مرتب کیا تھا۔ لہٰذا اگر تیسری گول میز کانفرنس میں اقبال کو دعوت دینے کے سلسلے میں حکومت نے تامّل یا سرد مہری کا رویّہ اختیار کیا تو اس پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں لیکن علامہ اقبالؔ کو مسلمانوں کے نمائندہ ہونے کی بنا پر برِّصغیر میں جو سیاسی اہمیت حاصل ہو چکی تھی، اس کو نظر انداز کرنا بھی حکومت کے لیے ممکن نہیں تھا، اس لیے اقبال کو کانفرنس میں شرکت کے لیے مدعو کرنا ہی پڑا۔ البتّہ یہ بات محلِّ نظر ہے کہ یہ دعوت، میاں فضل حسین کی مساعی کی بدولت دی گئی تھی کیوں کہ اس دعوے کے حق میں کوئی ٹھوس دلیل ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئی۔ میاں فضل حسین کی ذاتی ڈائری اور ان کی خط و کتابت سے بھی اس موضوع پر روشنی نہیں پڑتی اور محض عبدالمجید سالک یا عظیم حسین کی روایات پر اس امر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے مستند سرکاری دستاویزات کی مدد سے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ آخر قائدِ اعظمؒ کو تیسری گول میز کانفرنس میں کیوں نہیں دعوت دی گئی اور اقبالؔ کو مدعو کیوں کیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"گول میز کانفرنس کے جو ڈیلی گیٹ ہندوستان سے بھیجے جاتے تھے، ان میں ہندوستان، مسلمان، سکھ، اچھوت، یورپین ہندوستانی مسیحی اور والیانِ ریاست سب کے نمائندے شامل تھے۔ ان مندوبین کا انتخاب ہندوستان کا وائسرائے اور Secretary of state for India یعنی وزیرِ ہند باہمی مشورے سے کرتے تھے۔ پہلی گول میز کانفرنس کا افتتاح ۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء کو ہوا تھا۔ اس میں ہندوستانی مسلمانوں کے جو نمائندے بھیجے گئے تھے، ان میں قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے لیکن علامہ اقبالؔ شامل نہیں تھے۔ دوسری گول میز کانفرنس ستمبر ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ اس میں قائدِ اعظم اور علامہ اقبال دونوں شامل ہوئے۔ جب تیسری گول میز کانفرنس کے انعقاد کا وقت آیا تو وائسرائے نے مسلمان مندوبین کی جو فہرست منظوری کے لیے وزیرِ ہند کو لندن بھیجی، اس میں مسٹر جناح اور علامہ اقبال کے نام درج تھے لیکن وزیرِ ہند Sir Samuel Hoare نے جو بعد کو Lord Templewood کے لقب سے ملقّب ہوئے تھے، یہ دونوں نام منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ جناح کے متعلق سر سیموئل ہور کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ پچھلی دونوں کانفرنسوں میں اس شخص کا رویّہ تعمیری نہیں بلکہ تخریبی رہا ہے، اور ہم لوگ ہندوستان کے لیے جس آئین اور دستور کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں اور جس کی تعمیر کے لیے یہ ساری دوڑ دھوپ اور تگ و دو ہو رہی ہے، اس عمارت کے بنانے میں جناح نے ایک اینٹ اپنے ہاتھ سے نہیں رکھی۔ اس کے برعکس جو تجویز بھی پیش کی جاتی تھی، جناح اس پر شدت سے نکتہ چینی کرتا تھا لیکن خود اپنی طرف سے کوئی متبادل یا موزوں یا معقول تجویز پیش نہیں کرتا تھا۔ مسٹر سیموئل ہور نے یہ بھی کہا کہ جناح کے خیالات میں ایک ایسا الجھاؤ ہے جسے ہم سمجھنے سے معذور ہیں اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ جناح کے

نام کو نامنظور کرنے کی دوسری وجہ سر سیموئل ہور نے یہ بیان کی کہ جناح نے چونکہ ہندوستان کی اقامت ترک کر کے لندن میں اپنا مکان خرید لیا ہے اور پریوی میں پریکٹس شروع کر دی ہے لہٰذا اب اسے ہندوستان کی نیکی بدی اور برائی بھلائی سے بظاہر کوئی دلچسپی نہیں۔

"اقبال کا نام نامنظور کرنے کی وجہ وزیر ہند نے یہ پیش کی کہ پچھلی کانفرنس میں اقبال بالکل خاموش اور چپ چاپ، تماشائی کی حیثیت سے بیٹھا رہا ہے اور کسی بحث میں اس نے حصّہ نہیں لیا۔ ایسے خاموش، بے زبان اور کم سخن شخص کو دوبارہ گول میز کانفرنس کے لیے بلانا بالکل بے کار ہے۔ ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو آئین اور دستور اور قانون وضع کرنے کی بحثوں میں حصّہ لیں اور پیچ نیچ خود بھی سمجھیں اور ہمیں بھی سمجھائیں۔ اور جس کانسٹی ٹیوشن کا خاکہ ہم تیار کر رہے ہیں، اس میں اگر ہماری رہنمائی نہیں کر سکتے تو کم سے کم امداد تو ضرور کریں۔

"وزیر ہند کے ان اعتراضوں کے جواب میں وائسرائے نے دوبارہ لکھا کہ جناح اور اقبال کو تیسری گول میز کانفرنس میں ضرور شریک کرنا چاہیے۔ جناح نے اگر لندن میں رہائش اختیار کر لی ہے یا پریوی کونسل میں پریکٹس شروع کر دی ہے تو اس طرح اس کی نمائندہ حیثیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی وہ آج بھی آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر ہے۔ اقبال کے متعلق وائسرائے نے وزیر ہند کو لکھا کہ آپ کو غالباً اس بات کا اندازہ نہیں کہ آج اقبال ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کا روحانی، معنوی اور سیاسی پیشوا ہے۔ بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا نوجوان طبقہ تو اقبال کا پرستار ہے۔ جس جلسے میں بڑی بڑی مرصّع اور پرجوش تقریریں ناکام رہ جائیں، وہاں اقبال کا ایک شعر کام کر جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اقبال سے جو عقیدت ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے کسی قومی اجتماع کو اس وقت تک اچھی نمائندگی کا پروانہ عطا نہیں کرتے جب تک اقبال اس اجتماع کو اپنی شرکت کا فخر نہ بخشے۔ لہٰذا اقبال گول میز کانفرنس میں زبان کھولے یا چپ رہے، تقریریں کرے یا ہونٹوں پر مہرِ سکوت لگا کر بیٹھا رہے، اس کی شرکت مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے ضروری ہے۔

"وائسرائے کی اس گزارش کے باوجود Secretary of state نے جناح کا نام منظور کرنے سے انکار دیا اور انہیں تیسری گول میز کانفرنس میں مدعو نہیں کیا اور نہ آئندہ Joint Select Committee میں بلایا۔ البتہ اقبال کے بارے میں وزیر ہند کو اپنی رائے تبدیل کرنا پڑی اور انہیں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھیج دی گو

اقبال لندن کب پہنچے

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی علامہ اقبال کے قریبی احباب میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "اقبال کی صحبت میں" میں اقبال کے بارے میں بہت سی باتیں محض حافظے کی بنیاد پر لکھی ہیں۔ تیسری گول میز کانفرنس کے دوران وہ انگلستان میں تھے اور انہوں نے اس زمانے کی یادداشتیں بھی قلم بند کی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ان کے حافظے نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ "قیامِ لندن کی یادداشت" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"اکتوبر ۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سید امجد علی کے ہمراہ لندن پہنچے تھے"۵۲ اصل معاملہ یہ ہے کہ اقبال اکتوبر نہیں نومبر ۱۹۳۲ء میں لندن میں پہنچے تھے۔ وہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لندن جانے کے لیے ۹ بجے شب فرنٹیئر میل پر سوار ہوئے۔ ۱۹ اکتوبر کو بمبئی پہنچے وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر ۱۲ نومبر کو لندن پہنچے جہاں ۱۷ نومبر کو انہوں نے کانفرنس میں شرکت اختیار کی۔۵۳

مس روزیٹا فاربس سے ملاقات

اقبال کے قیام لندن کے سلسلے میں ایک اور روایت ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے یوں بیان کی ہے:

"اسی زمانے میں جب کہ میں اپنی علمی تحقیقات کے سلسلے میں برٹش میوزیم میں بیٹھا تھا، ایک روز علامہ کا پیغام موصول ہوا کہ پکتھال نے قرآن مجید کا جو انگریزی ترجمہ کیا ہے اس میں سے سورۃ النمل کی حسب ذیل آیت کا ترجمہ درکار ہے۔ "حتیٰ اذا اتوا علیٰ واد النمل قالت نملۃ یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم۔ الایۃ" (یہاں تک کہ جب آئے اوپر وادی چیونٹیوں کے، کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! داخل ہو جاؤ اپنے گھروں میں . . . الخ)۔ چنانچہ میں نے اسی وقت آپ کے ارشاد کی تعمیل کر دی اور مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ انہیں فوراً بھیج دیا۔ پھر جب شام کے وقت میں ان کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے ترجمہ بھیجنے کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ در اصل یہ ترجمہ ایک عورت کی تشفی کی غرض سے مجھے درکار تھا اور اب وہ ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ اس عورت کا نام مس روزیٹا فوربس ہے جس نے علمی تحقیقات کے سلسلے میں دور دراز کا سفر کیا ہوا ہے۔ علامہ نے بتایا کہ اس عورت نے مجھے اپنے گھر کھانے پر بلایا تھا۔ میں اس کا گھر دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ اس نے اپنے گھر کو اسلامی طرز کے مطابق آراستہ کیا ہوا تھا۔ خاص کر ایرانی قالین تو اپنی نفاست اور عمدگی میں نہایت لاجواب تھے۔ کھانے کے دوران تو اس نے مکان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا مگر جب میں چلنے لگا تو بولی کہ ڈاکٹر صاحب! میرے مکان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ آپ نے تو اپنی زندگی ہی میں بہشت تخلیق کر لی ہے جب کہ میں ابھی اس کی جستجو میں ہوں۔ علامہ نے بیان فرمایا کہ بالکل الف لیلوی انداز میں مکان کو سجایا گیا تھا۔"۵۴

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی روایت کی رُو سے مس روزیٹا فاربس کے ساتھ علامہ اقبال کی یہ ملاقات تیسری گول میز کانفرنس کے موقع پر ہوئی تھی جب کہ جناب محمد حمزہ فاروقی نے ملاقات کی تاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء تحریر کی ہے۵۵ اور علامہ اقبال اس وقت دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے سلسلے میں لندن میں قیام پذیر تھے۔

خطبہ کیا مذہب کا امکان ہے؟

اسی طرح ڈاکٹر موصوف اقبال کے خطبے" کیا مذہب کا امکان ہے؟ کے بارے میں یہ انکشاف کرتے ہیں:

"انہی دنوں ارسطو طالین سوسائٹی لندن کی دعوت پر علامہ نے ایک لیکچر دیا تھا جس کا موضوع تھا" کیا مذہب ممکن ہے؟" اس لیکچر کی دعوت انہیں مس فورک ہارسن نے دی تھی اور انہی نے اس جلسے کا انتظام بھی کیا تھا۔ جب علامہ نے یہ تقریر لکھ لی تو طے پایا کہ پہلے اس کو چھپوا لیا جائے، چنانچہ اس کی طباعت کا انتظام میرے سپرد ہوا اور میں نے اسے چیرنگ کراس لندن میں چھپوایا۔ پہلا پروف میں نے خود پڑھا، دوسرا پروف علامہ کو دکھایا اور لیکچر چھپ گیا۔ لاہور میں بھی علامہ نے اس لیکچر کو چھپوایا تھا، مگر جب اس کی مانگ بڑھ گئی تو انہوں نے اپنے لیکچروں کے مجموعے میں شامل کر لیا جو اب تک شامل ہے۔"[۵۴]

یہ بات تو درست ہے کہ اقبال نے یہ خطبہ ارسطاطالین سوسائٹی لندن میں پیش کیا تھا اور زمانہ بھی تیسری گول میز کانفرنس کا تھا لیکن ڈاکٹر حقانی نے یہ نہیں بتایا کہ ان کی اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ سوسائٹی کی طرف سے انہیں دعوت مس فارقوہرسن کی وساطت سے ملی تھی یا خود مس فارقوہرسن نے انہیں دی تھی۔

مس مارگریٹ فارقوہرسن نیشنل لیگ آف لندن کی بانی تھیں یہ لیگ ۱۹۱۴ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد برطانیہ کی جنگی مساعی میں مدد دینا تھا۔ جنگِ عظیم اوّل ختم ہوئی تو اس کا مقصد اشتراکیت کے خلاف جدوجہد کے علاوہ دنیا کے مسلمان ممالک سے سلطنتِ برطانیہ کے خوشگوار تعلقات کا قیام قرار پایا۔ مس فارقوہرسن کو مسلمانوں سے ہمدردی تھی اور چاہتی تھیں کہ ان زیادتیوں کا مداوا ہو جو برطانیہ نے جنگِ عظیم کے دوران عالمِ اسلام کے ساتھ کی تھیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اور برّصغیر نیشنل لیگ کی کوششوں کے خاص محور تھے۔ مس فارقوہرسن اقبال کے علاوہ برصغیر کی دوسری اہم شخصیتوں سے بھی خط و کتابت کرتی رہتی تھیں۔ اقبال نے ان سے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر ملاقات کی تھی۔ اور اس مرتبہ مس فارقوہرسن نے نیشنل لیگ کی طرف سے اقبال کے اعزاز میں استقبالیہ کا اہتمام بھی کیا تھا۔ نیشنل لیگ نے ایک اور اجلاس ۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء کو منعقد کیا تھا جس میں بیرونی ممالک کے سفرا، برطانوی پارلیمان کے اراکین اور مسلم وفد کے ارکان بھی موجود تھے۔ اس اجلاس میں اقبال نے مسلم مطالبات کی وضاحت کی غرض سے ایک زوردار تقریر بھی کی تھی۔[۵۵] لیکن اقبال کے اس سفر کی تفصیلات اور مس فارقوہرسن کے نام اقبال کے خطوط[۵۶] سے کوئی ایسا اشارہ یا شہادت دستیاب نہیں ہوتی جس کی بدولت یہ کہا جا سکے کہ ارسطاطالین سوسائٹی میں خطبہ پیش کرنے کے سلسلے میں مس فارقوہرسن نے بھی کوئی کردار ادا کیا تھا۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء کو اقبال نے سیّد نذیر نیازی کے نام جو خط لکھا ہے اس میں صرف اتنی بات ملتی ہے:

"لندن کی Aristotelian Society نے مجھ سے کسی فلسفیانہ مضمون پر لیکچر دینے کی درخواست کی

تھی جو آج ختم کیا ہے... اگر خود گیا تو یہ لیکچر زبانی دیا جاسکے گا ورنہ ڈاک میں بھیج دیا جائے گا۔ لیکچر لکھنے میں تقریباً ایک ماہ صرف ہوا۔ Aristotelian Society لندن کی ایک مشہور اور پرانی سوسائٹی ہے اور بہت سے مغربی علماء کی آنکھ دیکھ چکی ہے۔"۳

اس کے باوجود بعض اہل علم نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ مذکورہ خطبہ ۱۹۳۴ء میں لکھا گیا تھا۔۴ اور اسی لیکچر کے بارے میں مولانا سالک لکھتے ہیں۔

"لندن کی ایسٹاٹالین (ارسطاطالین) سوسائٹی نے علامہ سے استدعا کی کہ کسی وقت ہمارے ہاں تشریف لا کر کسی فلسفیانہ موضوع پر لیکچر دیجیے۔ علامہ نے مئی ۱۹۳۲ء میں یہ لیکچر ختم کیا۔ اس کا عنوان تھا Is Religion possible? یہ لیکچر انگلستان میں دیا گیا اور چھ لیکچروں میں شامل ہو کر چھپ چکا ہے۔"۵

حقیقت یہ ہے کہ یہ لیکچر علامہ اقبال کے چھ لیکچروں میں شامل نہیں تھا۔ جس زمانے میں مولانا سالک کی کتاب "ذکرِ اقبال" شائع ہوئی (۱۹۵۵ء) اس سے بہت پہلے ۱۹۳۴ء میں اقبال کے خطبات سات کی تعداد میں شائع ہو چکے تھے۔ نہ جانے سالک مرحوم نے چھ لیکچروں کا حوالہ کیوں دیا۔ یہ خطبات پہلی مرتبہ جب ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد چھ تھی اور یہ قبل ازیں مدراس، حیدرآباد اور علی گڑھ کی علمی مجالس میں پڑھے گئے تھے۔ دوسری مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد سات تھی۔ اضافہ شدہ خطبہ وہی ہے جس کو مولانا سالک نے چھ خطبوں میں شمار کیا ہے۔ یہ خطبہ پہلے ایڈیشن کے تقریباً دو سال بعد لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۳۲ء میں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ خطبہ کب مکمل ہوا۔ مولانا سالک کا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ مئی ۱۹۳۲ء میں ختم ہوا۔ اس سے قبل سید نذیر نیازی کے نام اقبال کے ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء کے خط کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں اقبال نے صاف طور پر لکھا ہے کہ "یہ خطبہ آج (۲۹ ستمبر کو) ختم کیا ہے۔"

سیاحتِ اندلس

علامہ اقبال نے گول میز کانفرنس سے فارغ ہو کر اندلس کی سیاحت بھی کی انہوں نے اندلس کے مشہور تاریخی مقامات کی سیر کی اور مسجدِ قرطبہ کی زیارت کی سعادت بھی حاصل کی۔ کئی سو سال سے یہ مسجد عیسائیوں کے قبضے میں تھی اور انہوں نے اس میں نماز کی ادائیگی کی ممانعت کر رکھی تھی لیکن اقبال جب وہاں گئے تو انہوں نے اس میں نماز ادا کی۔ انہیں وہاں نماز ادا کرنے کی اجازت کیسے ملی؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے اور اس بارے میں جو روایات ملتی ہیں، ان میں خاصا اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے قیاس آرائی یا سنی سنائی باتوں پر انحصار کیا ہے۔ خود اقبال کی بیان کردہ روداد کو لائقِ اعتنا خیال نہیں کیا گیا۔ اگر کسی نے اقبال کے حوالے سے کچھ لکھا ہے تو اس میں بھی رطب و یابس ملتا ہے۔ فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں۔

"حکیم الامت علامہ اقبال تیسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد اسپین بھی گئے اور وہاں اسلامی

دو۔ اقتدار ختم ہونے کے تقریباً سات سو سال بعد انہوں نے مسجدِ قرطبہ میں پہلی اذان دی اور نماز پڑھی مسلمانوں کی عظمت و شوکت کی حامل یہ مسجد اب گرجا بن چکی ہے۔"[۲۵]

فقیر سید وحید الدین نے ایک اور مقام پر اس واقعہ کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"وہ جب قرطبہ پہنچے اور وہاں کی مسجد دیکھنے گئے جو انقلابِ زمانہ کی بوقلمونی سے گرجا بن چکی ہے تو انہوں نے ایک پادری سے جو مسجد کی نگہبانی پر مامور تھا وہاں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ پادری نے یہ سن کر تامل کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا تعجب ہے تم مسیحی ہم سے اس قسم کا سلوک روا رکھتے ہو حالانکہ ہم نے تم سے کبھی اس قسم کا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ پادری اس فقرے سے کسی قدر متاثر ہوا اور کہنے لگا آپ یہیں ٹھہریے، میں بڑے پادری سے پوچھ کر آتا ہوں لیکن جب تک وہ واپس آیا ڈاکٹر صاحب نماز پڑھ چکے تھے"[۲۶]

مولانا سالک نے بھی اسی سے ملتی جلتی کہانی لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال نے بے اختیار چاہا کہ مسجدِ قرطبہ میں تحیۃ المسجد کے نفل ادا کریں۔ اس عمارت کے نگران سے پوچھا اس نے کہا: میں بڑے پادری سے پوچھ آؤں۔ اِدھر وہ پوچھنے گیا اُدھر علامہ نے نیت باندھ لی اور اس کے واپس آنے سے پہلے ہی ادائے نماز سے فارغ ہو گئے"[۲۷]

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس واقعے کے متعلق عام طور پر غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ فقیر سید وحید الدین کا کہنا ہے کہ اقبال نے (سکون سے) اذان بھی دی اور نماز بھی پڑھی جب کہ سالک صاحب اور دوسری جگہ فقیر وحید الدین کا کہنا ہے کہ اقبال نے بڑے حیلے سے اور بعجلت تمام نماز ادا کی اور یہ بات اقبال کی فطرت اور مزاج سے بعید ہے، اور خود احترامِ مسجد کے بھی منافی ہے۔

محمود الرحمٰن، امتیاز محمد خاں کے حوالے سے، رقم طراز ہیں:

"قیامِ لندن میں اقبال کا ارادہ ہوا کہ اسپین کے مسلم آثار الحمرا، مسجدِ قرطبہ وغیرہ کی زیارت کریں۔ یہ خیال آنا تھا کہ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح مسجدِ قرطبہ میں نماز ادا کرنے کا موقع بھی مل جائے تو کیا کہنے۔ سپین کی عیسائی حکومت نے مسجد میں اذان اور نماز دونوں کی ممانعت کر رکھی تھی اور اس مسجد کو گرجا بنا دیا گیا تھا۔ علامہ اقبال کا دل اس صورتِ حال پر خون کے آنسو رونے لگا۔ اقبال مسلمانوں کی عظیم الشان یادگار مسجد میں حاضری دے اور خدا کے حضور دو رکعت نماز بھی ادا نہ کر سکے! اسی ادھیڑ بن میں ان کے استاد ڈاکٹر آرنلڈ یاد آ گئے۔ وہ ان دنوں بہت ضعیف ہو چکے تھے اور لندن ہی میں مقیم تھے۔ اقبال سیدھے ان کے پاس گئے اور مدعا بیان کیا۔ پہلے تو موصوف کچھ سوچتے رہے، پھر انہوں نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے حکومتِ ہند کے ہوم سیکرٹری کو ایک خط لکھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ حکومتِ اسپین کے ہوم سیکرٹری کو خط لکھ کر اس امر کی اجازت حاصل کرے کہ علامہ اقبال سفرِ قرطبہ کے دوران مسجدِ قرطبہ میں باقاعدہ نماز ادا کر سکیں۔ پروفیسر آرنلڈ کی یہ کوشش بار آور ثابت ہوئی اور اقبال کو اس شرط کے ساتھ اجازت مل گئی کہ جب وہ مسجد کے اندر داخل ہو جائیں تو دروازہ بند کر دیا

جائے اور اس پر قفل لگا دیا جائے؛ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

"اقبال جب قرطبہ والی مسجد میں داخل ہُوئے تو آپ نے آواز کی پوری شدت سے اذان دی۔ اقبال کہتے ہیں: میں اس جذبے، سرور اور کیفیت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو اس وقت مجھ پہ طاری تھا۔ سالہا سال کے بعد مسجد کے اندر پہلی مرتبہ "اللہ اکبر" کی آواز محراب و منبر سے ٹکرا ٹکرا کر گونج رہی تھی۔ اذان سے فارغ ہونے کے بعد اقبال نے مصلیٰ بچھایا اور نماز ادا کرنے لگے۔ دورانِ نماز ان پر اس قدر رقت طاری ہُوئی کہ سجدے میں گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ اسی دوران عالم رویا میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں اور مجھے مخاطب کر کے کہتے ہیں: اقبال! تم نے میری مثنوی کا بغور مطالعہ نہیں کیا، اسے مسلسل پڑھتے رہو اور میرا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ۔ اور جب اقبال ہوش میں آئے تو دل کا سکون اور اطمینان حاصل ہو چکا تھا۔" ۱۸

علامہ اقبال مسجد کی شان و شوکت سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہُوئے کہ آپ نے جب نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو یکایک اشعار کا نزول ہونے لگا حتیٰ کہ انہوں نے پوری دعا اشعار کی صورت میں مانگی جو "بالِ جبریل" کے صفحات ۱۲۳ - ۱۲۴ پہ دیکھی جا سکتی ہے۔

اس روایت میں کئی باتیں درست نہیں مثلاً یہ کہ سپین کے مسلم آثار دیکھنے کی خواہش اقبال کے دل میں اس وقت پیدا ہُوئی تھی جب وہ لندن میں قیام پذیر تھے اور وہیں انہوں نے سپین کی سیاحت کا ارادہ کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال ہندوستان ہی سے یہ آرزو دل میں لے کر روانہ ہُوئے تھے۔ اس سلسلے میں ۲۲ مئی ۱۹۳۲ء کو مس فارقوہرسن کے نام ان کے خط کے یہ جملے لائقِ مطالعہ ہیں:

"میں یورپ، شمالی افریقہ، ترکی اور ہسپانیہ کی سیاحت کا مقصد رکھتا ہُوں دو ایک ماہ میں قطعی فیصلے پر پہنچ سکوں گا۔" ۱۹

البتہ اس بات کا امکان ضرور ہے کہ اس سفر کے لیے اخراجات کا انتظام قیامِ انگلستان کے دوران ہوا ہو۔ بھوپال کے چودھری خاقان حسین کی زبانی صہبا لکھنوی لکھتے ہیں کہ خود اقبال نے انہیں بتایا:

"لندن کے قیام میں نواب صاحب بھوپال سے ملنے گیا تو انہوں نے فرمایا اقبال! سپین کیوں نہیں جاتے؟ میں نے عرض کیا اگر میں بھی نواب بھوپال ہوتا تو اب تک ہو آیا ہوتا۔ بات آئی گئی ہُوئی۔ دوسرے روز مجھے میرے ہوٹل میں نواب صاحب بھوپال کا ایک چیک چھ ہزار روپے کا ملا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سفر کے لیے ہے۔" ۲۰

میرے لیے فی الحال کسی دوسرے ذریعے سے اس روایت کی تائید مہیا کرنا ممکن نہیں۔ تاہم یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال نے اقبال کی سیاحت ہسپانیہ کے لیے رقم مہیا کی ہوگی اور برطانوی حکومت نے اقبال کے سفرِ انگلستان کے اخراجات برداشت کیے ہوں گے۔ ہسپانیہ کے سفر کے اخراجات برداشت کرنا اقبال کے لیے غالباً بہت مشکل تھا اس لیے ممکن ہے کہ نواب موصوف نے یہ خدمت انجام دی ہو۔

محمود الرحمٰن کی روایت کا وہ حصّہ بھی محلِ نظر ہے جس میں انہوں نے مسجدِ قرطبہ کی زیارت کی اجازت کے لیے ڈاکٹر آرنلڈ

کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر تھامس واکر آرنلڈ ۹ رجون ۱۹۳۰ء کو فوت ہو چکے تھے ان کا ۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال کی مدد کرنا ظاہر ہے کہ بعید از عقل و فہم ہے۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر دروازہ بند کر نے قفل لگانے اور اتنی احتیاط کے باوجود پوری شدت سے اذان دینے کا معاملہ بھی قرین قیاس نہیں۔ رقت کی شدت سے اقبال کی بے ہوشی اور اسی حالت میں خواب دیکھنا وغیرہ سبھی نہایت عجیب و غریب باتیں ہیں جب کہ اصل واقعہ صرف وہی ہے جس کا تذکرہ خود اقبال نے وطن واپسی پر ان لوگوں سے گفتگو کے دوران کیا جو ان کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر آئے تھے۔ اقبال کی روایت صرف اس قدر ہے۔

"میں نے ناظم آثارِ قدیم کی معیت میں جا کر بہ اجازتِ خاص اس مسجد میں نماز ادا کی۔ قرطبہ پر عیسائیوں کے تسلّط کے بعد جسے کم و بیش ساڑھے چار سو برس گذر چکے ہیں، اس اسلامی عبادت گاہ میں پہلی نماز تھی۔"[۲۰]

اقبال کے اس بیان میں صرف اتنی بات درست نہیں کہ قرطبہ پر عیسائیوں نے تقریباً ساڑھے چار سو برس بیشتر قبضہ کیا تھا۔ جے۔ بی۔ ٹرینڈ نے اپنی کتاب Spain from the south (صفحہ ۷۶) میں لکھا ہے کہ عیسائیوں نے مسجد قرطبہ کو ۱۲۳۶ء میں کلیسا میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ مدت ۶۹۶ سال بنتی ہے نہ کہ ساڑھے چار سو برس۔

سیاحتِ اندلس کے سلسلے کے میں ایک دلچسپ بات یہ مشہور ہوئی کہ اس دوران اقبال کی صاحبزادی ان کے ہمراہ ہیں۔ اس افواہ کے اُڑنے کا سبب دراصل میڈرڈ میں اقبال کے خطبے کی وہ روداد ہے جو اندلس کے ایک روزنامے EL Debate میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں لکھا گیا تھا "اس سفر میں ان کے ساتھ ان کی صاحبزادی بھی ولایتی۔ (اس لڑکی کا) چہرہ کسی یورپین کی طرح گورا چٹّا ہے۔"[۲۱] یہ لڑکی دراصل سیکرٹری کی حیثیت سے اقبال کے ساتھ تھی۔ اس سلسلے میں بروایت چودھری خاقان حسین، اقبال کہتے ہیں:

"میں نے اخبار میں ایک سیکرٹری کی ضرورت کا اشتہار دیا اور ایک موزوں لیڈی سیکرٹری انتخاب کر کے اس کو سفر کی تفصیلات بتائیں اور یہ ہدایت کی کہ روانگی سے اختتام تک وہ ان سے کوئی گفتگو نہیں کرے گی ..... ساری رقم میں نے اس کے حوالے کر دی اور سفر کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ اس قدر کارگزار سیکرٹری ثابت ہوئی کہ مجھے سفر میں کہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس نے میری رہائش، قیام اور سفر کا بہت ہی اچھا انتظام کیا۔"[۲۲]

اس روایت میں یہ بات بہت عجیب محسوس ہوتی ہے کہ اقبال نے اپنی سیکرٹری کو گفتگو سے بالکل منع کر رکھا تھا۔ یہ تو ممکن ہے کہ انہوں نے اسے گفتگو ضرورت کے مطابق کرنے کی ہدایت کی ہو لیکن اس کی قطعی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس امر کا قوی امکان ہے کہ راوی نے مبالغے سے کام لیا ہو یا غلط فہمی کی بنا پر بات کچھ سے کچھ بن گئی ہو۔

گول میز کانفرنس سے واپسی

تیسری گول میز کانفرنس سے اقبال ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء کو واپس وطن پہنچے اور انہوں نے اپنے سفر یورپ کے مشاہدات و تاثرات بمبئی کے اخبار "خلافت" کے نمائندے کو بتائے جو ادبی دنیا کے اقبال نمبر میں دوبارہ شائع ہوئے تو تعارف میں یہ لکھا گیا:

"دوسری گول میز کانفرنس کے بعد فروری ۱۹۳۳ء میں جب حضرت علامہ اقبال یورپ سے واپس تشریف لائے"۲۲

عبدالرشید طارق نے ہسپانیہ کے سفر کے بارے میں اقبال کے ملفوظات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جب ڈاکٹر صاحب دوسری گول میز کانفرنس سے واپس تشریف لائے تو کہنے لگے" ہندوستان واپس آتے ہوئے میں نے ہسپانیہ میں مسلمانوں کے تاریخی مقامات کا معاینہ کیا"۲۳

ظاہر ہے کہ "ادبی دنیا" میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان میں سے ایک بات ضرور غلط ہے۔ یہ تاثرات اگر دوسری کانفرنس کے بارے میں ہیں تو اقبال کی واپسی کی تاریخ غلط ہے اور اگر واپسی کی تاریخ درست ہے تو دوسری کانفرنس لکھنا درست نہیں ہے۔ ان تاثرات میں چونکہ اندلس کے مشاہدات کا بیان بھی ہے اس لیے یہاں دوسری گول میز کانفرنس کی بجائے تیسری گول میز کانفرنس لکھنا تھا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اندلس کی سیاحت اقبال نے تیسری کانفرنس کے بعد کی تھی۔ اس بحث سے عبدالرشید طارق کی روایت کا یہ حصہ بھی غلط قرار پاتا ہے۔

اٹلی کی سیاحت

مولانا سالک نے ایک دلچسپ اطلاع ان الفاظ میں مہیا کی ہے:

"ہسپانیہ سے علامہ اٹلی تشریف لائے تو یہاں بھی علمی حلقوں نے آپ کی پذیرائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ڈاکٹر سکارپا نے جو ہندوستان میں اطالوی سفیر رہ چکے تھے اور علامہ کے بے حد عقیدت مند تھے متعدد استقبالی تقریبات کا اہتمام کیا۔ علاوہ بریں مسولینی نے خود خواہش ملاقات کر کے علامہ کو مدعو کیا اور علامہ اس سے مل کر اس کی شخصیت خصوصاً اس کی آنکھوں کی مخصوص اور بے نظیر چمک سے بے حد متاثر ہوئے"۲۵

غالباً مولانا سالک کی پیروی میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے "تیسری گول میز کانفرنس اور آخری دورۂ یورپ" کے زیر عنوان اقبال کی مصروفیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

ابھی علامہ لندن ہی تھے کہ انہیں اٹلی کے آمرِ مطلق مسولینی کی طرف سے ملاقات کی دعوت موصول ہوئی چنانچہ سپین کے دورے کے بعد آپ روم پہنچے۔"(۲۶)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پانچ صفحوں میں اقبال کی سیاحتِ اٹلی کی تفصیلات تحریر کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال ہسپانیہ سے واپسی پر پیرس پہنچے اور وہاں سے وینس جہاں سے وہ بحری جہاز پر سوار ہو کر عازمِ وطن ہوئے تھے ۲۷۔ اٹلی کی سیاحت انہوں نے دوسری گول میز کانفرنس کی کارروائی سے فراغت پا کر کی تھی اس کی

تفصیل جناب محمد حمزہ فاروقی نے سفرنامہ اقبال کے صفحات ۱۱۳ تا ۱۲۱ میں قلمبند کی ہے۔

لندن سے غرناطہ تک

مولانا سالک نے ۱۹۳۲ء کے حوالے سے جامعہ ملیہ دہلی میں غازی رؤف پاشا کی آمد اور ان کے چھ لیکچروں کا ذکر کیا ہے جن کے دو لیکچروں کی صدارت اقبال نے بھی کی تھی اور لکھا ہے کہ اس سے چند ماہ بعد آپ پھر جامعہ ملیہ تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ تیسری گول میز کانفرنس سے واپس آ چکے تھے آپ کی تقریر کا عنوان تھا لندن سے قرطبہ تک"۔[۲۸] جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے مارچ میں غازی رؤف بے کے خطبوں میں صدارت کی تھی اور چند ماہ بعد نہیں بلکہ چند دن بعد ۵ اپریل ۱۹۳۳ء کو جامعہ ملیہ تشریف لے گئے تھے اور ان کی تقریر کا عنوان "لندن سے قرطبہ تک" نہیں "لندن سے غرناطہ تک تھا"۔ ۲۹

حواشی

۱۔ مولانا عبدالمجید سالک: ذکر اقبال، بزم اقبال لاہور، ۱۹۵۵ء، ص: ۱۷۸

۲۔ عظیم حسین: فضل حسین، ایک سیاسی سوانح عمری (انگریزی)، جام جمشید پریس بمبئی ۱۹۴۵ء، ص: ۲۱۹ بحوالہ اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص: ۳۷۸

۳۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی: اقبال اور تحریک پاکستان (مقالہ)، خطبات بیاد اقبال مرتبہ شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب لاہور، اکتوبر ۱۹۸۲ء، ص: ۲۷ - ۲۸

۴۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی: اقبال کی صحبت میں، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء، ص: ۲۷۴

۵۔ مظفر حسین وڑائچ: اقبال کا سفر ہسپانیہ (مقالہ)، مجلہ اقبال" لاہور، اپریل ۱۹۷۵ء، ص: ۶۳-۶۴

۶۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی: کتاب مذکور، ص: ۲۷۶ - ۲۷۷

۷۔ محمد حمزہ فاروقی: سفرنامہ اقبال، مکتبہ معیار کراچی، ۱۹۷۳ء، ص: ۳۷، اسی مضمون کی روایت ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید نے بیان کی ہے ملاحظہ کیجیے یاد اقبال: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، اگست ۱۹۷۸ء، ص: ۳۰-۳۱

۸۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی: کتاب مذکور، ص: ۲۸۱

۹۔ محمد احمد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۳۸۶-۳۹۱

۱۰۔ مس فارقوہرسن کے نام اقبال کے خطوط کے لیے ملاحظہ کیجیے

(ا) شیخ عطاء اللہ (مرتب): اقبال نامہ، حصہ اول، مجموعہ مکاتیب اقبال، شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹ء، ص: ۲۴۵-۲۵۰

(ب) شیخ عطاء اللہ (مرتب) کتاب مذکور، حصہ دوم، ۱۹۵۱ء، ص: ۲۸۳-

(ج) B.A. Dar; (Ed.) Letters of Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 1978

اقبال نامہ حصہ اول میں دو اور حصہ دوم سات خط ہیں جبکہ بی اے ڈار کے مرتبہ مذکورہ مجموعے میں صرف ایک خط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اقبال نامہ دوم کے خط نمبر ۱ کا انگریزی متن ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔

۱۱۔ سید نذیر نیازی: مکتوبات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۸۲

۱۲۔ سمیع اللہ قریشی: خطبات اقبال کا پس منظر (مقالہ)، مجلہ "صحیفہ" اقبال نمبر حصہ دوم، لاہور جنوری ۱۹۷۴ء، ص ۲۸

۱۳۔ مولانا عبدالمجید سالک: کتاب مذکور، ص: ۱۷۷-۱۷۸

۱۴۔ فقیر سید وحید الدین: روزگار فقیر، حصہ دوم، لائن آرٹ پریس کراچی، اگست ۱۹۶۵ء، ص: ۱۱۴

۱۵۔ فقیر سید وحید الدین: کتاب مذکور، حصہ اوّل، ۱۹۴۵ء، ص: ۴۶

۱۶۔ مولانا عبدالمجید سالک، کتاب مذکور، ص: ۱۸۲

۱۷۔ رحیم بخش شاہین (مرتب): اوراقِ گم گشتہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، اپریل ۱۹۷۵ء، ص: ۳۴۳

۱۸۔ شیخ عطاء اللہ: کتاب مذکور، حصہ دوم ص: ۲۸۴ نیز ملاحظہ کیجئے کتاب مذکور حصہ اول، ص: ۲۲۰ (مکتوب بنام منشی محررہ ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء۔ اس میں سپین کی سیر کے قصہ کا ذکر کیا ہے)

۱۹۔ صہبا لکھنوی: اقبال اور بھوپال، اقبال اکادمی پاکستان کراچی، اپریل ۱۹۷۳ء، ص: ۳۴۳۔
پروفیسر صدیق جاوید نے مضمون بعنوان "اقبال مسجد قرطبہ میں" میں اس روایت کو بوجہ غلط قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے "فکر و نظر" بابت ستمبر ۱۹۷۷ء

۲۰۔ ماہنامہ "ادبی دنیا" لاہور، اقبال نمبر، اپریل ۱۹۶۷ء، ص: ۱۹۔
"ادبی دنیا" کی اس اشاعت کو بعد ازاں "آئینہ اقبال" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔
پروفیسر صدیق جاوید نے اپنے مذکورہ مضمون میں پروفیسر آرنلڈ سے مدد لینے کی روایت کی تنقیح کی ہے اور ان کا موقف بہت معقول ہے لیکن انہوں نے مسجد قرطبہ میں اقبال کے نماز ادا کرنے کا اثبات زیادہ تر ان تصاویر کی مدد سے کیا ہے جن میں اقبال کو مسجد قرطبہ میں مصلے پر دکھایا گیا ہے۔ غالباً وہ اقبال کے اس بیان پر توجہ نہیں دے سکے جس کا اقتباس اور حوالہ میں نے دیا ہے اور جس میں اقبال نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ انہوں نے مسجد قرطبہ میں نماز بھی ادا کی تھی اسی طرح انہوں نے ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو منشی طاہر دین کے نام جو خط لکھا ہے اس میں وہ صاف صاف لکھتے ہیں "اپنی خواہش کے مطابق مسجد قرطبہ میں نماز پڑھی" (خطوط اقبال مرتبہ محمد رفیع الدین ہاشمی، ص: ۲۱۱)

۲۱۔ B.A.Dar (Ed.) Letters and writings of Iqbal, Iqbal Academy Pakistan, Karachi, 1967, P. 78

۲۲۔ صہبا لکھنوی: کتاب مذکور، ص: ۳۴۳

۲۳۔ ماہنامہ "ادبی دنیا" لاہور، اقبال نمبر، اپریل ۱۹۶۷ء، ص: ۱۵

۲۴۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (مرتب)، ملفوظات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۲۷۴۔

۲۵۔ مولانا عبدالمجید سالک، کتاب مذکور، ص ۱۸۲۔ اس ضمن میں اقبالیات پر قلم اٹھانے والوں سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کا جائزہ پروفیسر صدیق جاوید نے اپنے مضمون اقبال یورپ میں (چند تاریخی مغالطے)، مطبوعہ صحیفہ اقبال نمبر حصہ اول، ۱۹۷۷ء میں لیا ہے۔

۲۶۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، سرگزشت اقبال، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۳۱۹

۲۷۔ بی اے ڈار (مرتب)، انوار اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، مارچ ۱۹۶۷ء، ص: ۱۰۲۔

۲۸۔ مولانا عبدالمجید سالک، کتاب مذکور، ص: ۱۷۶۔

۲۹۔ سید نذیر نیازی، کتاب مذکور، ص: ۲۰۹۔